سزائے قید کے قرآنی احکام: علماء تفسیر کی آراء کا جائزہ

افتخار الحسن میاں☆

ABSTRACT

The varying questionable procedures of the implementation of the punishment of imprisonment have drawn the attention of many scholars to explore its very validity in the Islamic legal system. This article analyses the Islamic Legal Position of the sentence of imprisonment in the light of relevant verses of the Glorious Qur'an and the interpretations of these verses by the eminent Muslim Commentators (*mufassirun*) along with their arguments. It provides evidence that unjust and cruel practices of this sentence are condemned by the Qur'an. The Qur'an disapprovingly mentioned the imprisonment of the Prophet Yusuf (peace be on him) highlighting the injustice and cruelty in its initiation and implementation. This paper further brings to the fore that analysis of the interpretation of the relevant verses by the Muslim Commentators shows that the Qur'an did not repeal the punishment of imprisonment though it condemned its unjust and cruel implementation. The Qur'an further provides grounds for application of this punishment in a lenient manner to deal with all *ta'zir* crimes, civil and financial wrongdoings and for non payment of debts. The

☆ لیکچرر، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IRI, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

Muslim Jurists (*fuqaha'*) and Commentators further suggest reduction and leniency in the laws of imprisonment of various degrees depending on the severity of the crime and haughtiness of the criminal.

قرآن حکیم شریعت اسلامیہ کا مصدر اوّل ہے۔ فقہاء صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم احکام شریعت کے استنباط کے لیے تعلیمات نبوی کے مطابق سب سے پہلے قرآن حکیم ہی کی طرف رجوع فرمایا کرتے تھے۔ فقۂ اسلامی کے تشکیلی ادوار میں مذاہب اربعہ کے جلیل القدر فقہاء کرام علیہم الرحمہ بھی اپنے اسلاف فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس منہج کی پیروی کرتے ہوئے قرآن حکیم سے استخراج احکام کو اوّلیت دیتے تھے۔ آج کے دور میں سزائے قید کے شرعی جواز کا مسئلہ مختلف وجوہ و اسباب کے باعث اہل علم کی توجہ اپنی جانب مبذول کیے ہوئے ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلاف کے اس منہج کی پیروی میں اس موضوع پر قرآن حکیم کی آیات مبارکہ اور مفسرین کرام علیہم الرحمہ کی تفسیری آراء کو سامنے رکھتے ہوئے سزائے قید کے شرعی جواز کا جائزہ پیش کیا جائے۔

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے قرآن حکیم میں متعدد انواع کی سزائے قید کا ذکر فرمایا ہے۔ظلم و نا انصافی کی بنیاد پر دی جانے والی نا حق سزائے قید اور انصاف کے تمام تقاضے پورے کرنے کے بعد کسی جرم کی بنیاد پر دی جانے والی سزائے قید کی انواع کو واضح کرنے کے لیے موضوع سے متعلقہ آیات کا یہاں ایک خاص ترتیب سے تحقیقی مطالعہ مفید معلوم ہوتا ہے۔

۱- سب سے قدیم اور قابلِ مذمّت قید جس کا ذکر ہمیں قرآن حکیم کی سورۂ یوسف کی آیات ۲۱ تا ۴۲ اور ۱۰۰ میں ملتا ہے ، وہ ایک بے بنیاد اور جھوٹے الزام کی وجہ سے عزیزِ مصر کی خوفناک جیل میں معصوم و پاکباز اور برگزیدہ نبی سیّدنا یوسف علیہ السّلام کو دی گئی۔ یہ قید برسوں پر محیط تھی۔ اُن کو دی جانے والی اس قید سے عزیزِ مصر کے ظلم ،نا انصافی اور بے لگام طرزِ حکمرانی اور اس عہد کے مصری معاشرہ کے مقتدر طبقہ کی اخلاقی پستی کے مظاہر کھل کر سامنے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اِن آیاتِ مبارکہ میں اپنے پیارے نبی حضرت یوسف علیہ السلام کی قید، اس کے پس منظر، دورانِ قید کے حالات و واقعات، آپ کی مدّتِ قید، جیل سے رہائی اور اس کا سبب بننے والے واقعہ سے آگاہ فرما کر اس کی تاریخی صداقت کو الم نشرح فرما دیا ہے۔

اس کی بنیاد ایک الزام پر تھی۔ بدکاری کی کوشش کا الزام لگانے والی فتنۂ روزگار عورت زلیخا نے خود یہ اعتراف کیا تھا کہ ﴿ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّه‘ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ﴾[۱] (بخدا میں نے اسے بہت بہلایا پھسلایا لیکن وہ گناہ سے بچا ہی رہا)، اُس عورت کے شوہر عزیزِ مصر کی اپنی اخلاقی گراوٹ بھی لائقِ توجہ ہے۔ اُس نے اپنی بیوی کے تمام کرتوتوں کے شواہد دیکھ لینے کے بعد بھی اُسے کوئی سزا دینے کی بجائے اپنے خوشامدی حواریوں کی تائیدی رائے لینے کے بعد ریاستی جبر و استبداد کے رائج دستور کی آڑ لیتے ہوئے، آپ کو غیر معیّنہ مدّت کے لیے اپنی بد نامِ زمانہ جیل میں قید کر دیا تھا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی یوسف علیہ السلام کے ساتھ روا رکھے گئے اِس ظلم کو طشت از بام کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

﴿ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ[۲] وَ دَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ[۳] .... فَلَبِثَ فِى السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ.﴾[۴]

پھر مناسب معلوم ہوا اُنہیں اِس کے باوجود کہ وہ (یوسف علیہ السّلام کی پاکبازی کی) نشانیاں دیکھ چکے تھے کہ وہ اُسے قید کریں کچھ عرصہ تک اور داخل ہوئے آپ کے ساتھ ہی قیدخانہ میں دو نوجوان ....پس آپ ٹھیرے رہے قید خانہ میں کئی سال۔[۵]

ممتاز مفسّر امام قرطبی، محمد بن احمد بن ابی بکر انصاری (م ۶۷۱ھ/۱۲۷۳ء) علیہ الرحمہ نے سورہ یوسف کی اِس ۳۵ ویں آیت کی تفسیر کے ضمن میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول روایت کیا ہے:

قَال: القَميصُ مِنَ الآياتِ، شهادةُ الشاهدِ مِنَ الآياتِ و قطعُ الايَدِى مِنَ الآياتِ و اِعظامُ النّساءِ اِيّاهُ مِنَ الآيَاتِ[۶]

۱- سورہ یوسف: ۳۲

۲- ایضاً: ۳۵

۳- ایضاً: ۴۲

۴- ایضاً

۵- پیر محمد کرم شاہ الأزہری علیہ الرحمہ (۱۳۳۶-۱۴۱۸ھ/ ۱۹۱۸-۱۹۹۸ء)، **ضیاء القرآن**، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۴۰۲ھ، ج ۲، ص ۴۲۹

۶- امام ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی انصاری علیہ الرحمہ (م ۶۸۱ھ/۱۲۷۳ء)، **الجامع لأحكام القرآن**، الریاض، دار عالم الکتاب، ۱۴۲۳ھ، ج ۹، ص ۱۶۲

> انہوں نے فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السّلام کی قمیض کا پیچھے سے پھٹا ہوا پایا جانا آپ کی پاکبازی اور برأت کی نشانیوں میں سے تھا، گواہ کی گواہی بھی اِن نشانیوں میں سے تھی، اور زلیخا کی ہم جولیوں کا اپنی انگلیوں کو کاٹ لینا بھی آپ کی پاک دامنی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی،اور اُن عورتوں کا آپ کو عام انسان کے بجائے انتہائی مکرّم فرشتہ کہہ کر آپ کی عظمت کو تسلیم کرنا بھی آپ کی عصمت و برأت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی۔

زلیخا کے عائد کردہ جھوٹے اور بے بنیاد الزام سے سیدنا یوسف علیہ السلام کی برأت و پاک دامنی کی اتنی کثیر تعداد میں نشانیاں اور شہادتیں دیکھ لینے کے بعد بھی اُس کے بے حمیّت شوہر عزیزِ مصر نے اپنے مشیروں اور حواریوں سے مشورہ کیا تو اُنہوں نے اُس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے صریحاً نا انصافی اور ظلم پر مبنی یہ تجویز دی : اَنْ يَّسْـجُـنُوْهُ كِتْمَاناً لِلْقِصَّةِ اَلَّا تَشَيَّعَ فِي الْعَامَّةِ[۷] (کہ وہ زلیخا کی ہوسنا کی کے قصّہ کو چھپانے کے لیے اُسے (سیدنا یوسف علیہ السلام کو) قید کر دیں تاکہ وہ عام لوگوں میں مشہور نہ ہو جائے)۔

قرآنِ حکیم کی مذکورہ بالا آیاتِ بیّنات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مقدمہ سے متعلقہ تمام شواہد خود زلیخا کے خلاف گئے تھے، لیکن عزیزِ مصر نے اپنی بیوی کو کوئی سزا دینے کے بجائے عدل و انصاف کے تقاضوں کا قتل کرتے ہوئے حضرت سیّدنا یوسف علیہ السّلام کو غیر معینہ مدّت کے لیے اپنی بدنامِ زمانہ جیل میں قید کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی علیہ السلام کو دی گئی اِس سزائے قید میں روا رکھے گئے ظلم و نا انصافی کو واشگاف الفاظ میں بیان فرما کر ساری انسانیت اور خاص کر ملّتِ اِسلامیّہ کو یہ انتباہ فرمایا ہے کہ جو بھی سزا جرم کے ثبوت اور عدل و انصاف کے تمام تقاضے پورے کیے بغیر دی جائے، وہ اللہ تعالیٰ کے حضور قابلِ مذمّت سزا قرار پائے گی، خواہ وہ آج سے چار ہزار سال پہلے حضرت یوسف علیہ السّلام کو دی جانے والی سزائے قید ہو یا موجودہ نام نہاد ترقی یافتہ دور میں کسی کو ریاستی جبر و استبداد کا نمونہ بنانے کے لیے دی جانے والی سزائے قید سمیت کوئی بھی سزا ہو۔

۷- ایضاً

مشہور مفسّر سیّد ابوالاعلیٰ مودودی علیہ الرحمہ (۱۳۲۱-۱۳۹۹ھ/۱۹۰۳-۱۹۷۹ء) نے مذکورہ بالا آیات کی روشنی میں تاریخ کے مختلف ادوار کے علاوہ موجودہ دور میں ریاستی جبر و قہر کے اظہار کے لیے (یعنی ظلم پر مبنی) سزائے قید کے مسلسل استعمال پر اپنے مخصوص اور دلچسپ انداز میں یہ تبصرہ کیا ہے:

> اِس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی شخص کو شرائطِ انصاف کے مطابق عدالت میں مجرم ثابت کیے بغیر، بس یونہی پکڑ کر جیل بھیج دینا، بے ایمان حکمرانوں کی پرانی سنّت[طریقہ] ہے۔ اِس معاملہ میں آج کے شیاطین چار ہزار برس پہلے کے اشرار سے کچھ بہت زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ فرق اگر ہے تو بس یہ کہ وہ جمہوریت کا نام نہیں لیتے تھے، اور یہ اپنے اِن کرتوتوں کے ساتھ یہ نام بھی لیتے ہیں۔ وہ قانون کے بغیر اپنی غیر قانونی حرکتیں کیا کرتے تھے اور یہ ہر ناروا زیادتی کے لیے پہلے ایک قانون بنا لیتے ہیں۔ وہ صاف صاف اپنی اغراض کے لیے لوگوں پر دست درازی کرتے تھے اور یہ جس پر ہاتھ ڈالتے ہیں، اُس کے متعلق دنیا کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اُس سے اِن کو نہیں بلکہ ملک و قوم کو خطرہ تھا۔ غرض وہ صرف ظالم تھے، یہ اِس کے ساتھ جھوٹے اور بے حیا بھی ہیں۔[۸]

حضرت سیّدنا یوسف علیہ السّلام کو دی گئی ناحق سزائے قید کا واقعہ اگرچہ نبیِ آخر الزّمان سیّدنا و مولانا حضرت محمّد رسول اللہ ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری سے تقریباً ڈھائی ہزار سال پہلے کا ہے، لیکن اِس میں امتِ محمدیہ (علی صاحبها الصلاة و السلام) کے لیے درسِ ہدایت یہ ہے کہ جرم ثابت ہوئے بغیر اور انصاف کے شرعی تقاضے پورے کیے بغیر کسی کو سزائے قید نہ دی جائے۔ سورۂ یوسف کی مذکورہ بالا آیات میں ہمارے لیے خاص طور سے قابلِ توجہ نکتہ یہ ہے کہ اِن میں کہیں بھی سزائے قید کو غیر شرعی قرار نہیں دیا گیا بلکہ اس سزائے قید کی تطبیق میں روا رکھے گئے ظلم و نا انصافی کو قابلِ مذمّت قرار دیا گیا ہے۔ ظلم و ناانصافی کو سزائے قید کی تطبیق میں روا رکھا جائے یا کسی اور سزا میں، وہ سزا اِس علّتِ حُرمت کے پائے جانے کی وجہ

۸- مولانا سید اَبو الاعلیٰ مودودی علیہ الرحمہ (۱۳۲۱-۱۳۹۹ھ/۱۹۰۳-۱۹۷۹ء)، **تفہیم القرآن**، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، س ن، ج ۲، ص ۳۳۹-۴۰۰

سے شریعت میں حرام قرار پائے گی۔ اگر حاکمِ عدالت یعنی قاضی کے رو برو مجرم اعترافِ جرم کر لے یا کسی جرم کے اثبات کے لیے مطلوبہ تعداد میں عادل گواہ شرعی تقاضوں کے مطابق گواہی دے کر جرم کو بلا شک و شبہ ثابت کر دیں تو قاضی عدل و انصاف کے شرعی تقاضوں کے مطابق سزائے قید دینے کا مجاز ہوتا ہے۔اِس کی مزید تصدیق ۳ھ میں نازل ہونے والی سورۃ النّساء کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔

۲۔ اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زنا کا ارتکاب کرنے والی مسلم خواتین کے لیے ابتداء میں قید تاموت کا ذکر فرمایا۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ الّٰتِی یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآءِ کُمْ فَا سْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ . فَاِنْ شَهِدُوا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰى یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلاً ﴾ (۹)

اور جو کوئی ارتکاب کرے بدکاری کا تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ طلب کرو (تہمت لگانے والے سے) اُن پر چار مرد اپنوں میں سے ، پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو بند کر دو اُن عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ پورا کر دے اُن (کی زندگی) کو موت یا بنا دے اللہ تعالیٰ اُن (کی رہائی) کے لیے کوئی رستہ۔(۱۰)

اِس آیت مبارکہ کے الفاظ اور اِن کی ترتیب سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اِس انتہائی شدید جرم کے ارتکاب کی پاداش میں کسی عورت کو اُس وقت تک یہ سزائے قید یعنی قید تا موت نہیں دی جا سکتی تھی، جب تک چار مرد مسلمان عادل گواہ قاضی کے رُو برو اِس واقعہ کی تمام ضروری جزئیات کے ساتھ شرعی شہادت دے کر اِس جرم کو بِلا شک و شبہ ثابت نہ کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر عدل و انصاف کے تقاضوں کی تکمیل کو سزائے قید پر مقدّم رکھ کر ہزاروں برس سے رائج سزائے قید کی استبدادی تطبیقات سے اُمّتِ محمّدیّہ (**علٰی صاحبها الصّلاة و السّلام**) کو منع فرما دیا ہے۔

اگرچہ کئی ممتاز مفسّرین کرام علیہم الرحمہ نے زنا کی مرتکب خواتین کے لیے اِس آیت میں بیان کی گئی

۹۔ سورہ النساء:۱۵

۱۰۔ **ضیاء القرآن**، ج ۱،ص ۳۲۸

سزائے قید کواُن کے لیے ابتدائی حد قرار دیا ہے لیکن مشہور مفسّر سیّد ابوالاعلیٰ مودودی علیہ الرحمہ نے اِس کے بارے میں ایک مختلف نقطۂ نظر کا اظہار کیا ہے۔ وہ اِس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> زنا کو قابلِ سزا فعل ۳ھ میں ہی قرار دے دیا گیا تھا۔ لیکن اُس وقت یہ ایک قانونی جرم نہ تھا جس پر ریاست کی پولیس اور عدالت کوئی کارروائی کرے بلکہ اِس کی حیثیت ایک معاشرتی یا خاندانی جرم کی سی تھی جس پر اہلِ خاندان ہی کو بطور خود سزا دے لینے کا اختیار تھا۔[۱۱]

اِس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زنا کار عورتوں کی یہ سزائے قید مولانا مودودیؒ کے نزدیک شرعی حد نہ تھی کیونکہ اُن کی رائے میں زنا اُس وقت تک محض ایک معاشرتی یا خاندانی جرم تھا، از روئے شریعت جرم ہی نہ تھا۔ جبکہ اِس اقتباس کے پہلے جملہ میں اُن کے اپنے الفاظ ''قابلِ سزا فعل'' اور'' قرار دے دیا گیا'' سے واضح ہوتا ہے کہ زنا کو تین ہجری میں نہ صرف شریعتِ اِسلامیّہ میں انتہائی گھناؤنا جرم قرار دے دیا گیا تھا بلکہ اِس کی ابتدائی حد بھی بیان کر دی گئی تھی۔

مولانا مودودی علیہ الرحمہ کے معاصر اور ممتاز مفسّر پیر محمّد کرم شاہ الازہری علیہ الرحمہ زیرِ نظر آیت میں مذکور اِس جرمِ زنا اور اِس کی ابتدائی شرعی حد کے بارے میں مذکورہ ابہام کا ازالہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اِسلام نے اِس فعلِ بد [زنا] کی روک تھام کے لیے صرف وعظ و نصیحت پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اِس کا اِرتکاب کرنے والے کے لیے سزا اور سزا بھی سنگین مقرر کی۔ لیکن ابتداء ہی میں سنگین سزا کا نفاذ نہیں فرمایا بلکہ آہستہ آہستہ اور تدریجاً۔ اِن دونوں آیتوں [۴:۱۵، ۱۶] میں اِبتدائی زمانہ میں جو سزا مقرر ہوئی اُس کا ذکر ہے۔ سدّی، قتادہ اور کئی دوسرے ائمۂ تفسیر کے نزدیک پہلی آیت[سورۃ النّساء:۱۵] شادی شدہ عورتوں کے متعلق ہے کہ اگر وہ اِس جرم کا اِرتکاب کریں تو اُنہیں اُن کے گھروں میں بطورِ سزا بحکمِ حاکم نظر بند کر دیا جائے۔ یہاں تک کہ اُن کی زندگی ختم ہو جائے یا اللہ تعالیٰ اُن کے لیے کوئی دوسرا حکم نازل فرما دے۔ یہ آخری کلمات اِس

۱۱- **تفہیم القرآن**، ج ۳، ص ۳۲۸

بات کا صاف پتا دیتے ہیں کہ یہ عمر قید کی سزا عارضی سزا ہے اور اِس کے بعد کوئی دوسری سزا تجویز ہونے والی ہے۔(۱۲)

اِس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ زنا کو حرام قرار دیئے جانے کے بعد اِس آیت میں اِس کی ابتدائی حد، سزائے قید مقرر کی گئی تھی۔ بحکمِ حاکم کی ترکیب واضح کر رہی ہے کہ زنا اَب محض اخلاقی یا معاشرتی جرم نہ رہا تھا کہ جس کے ارتکاب پر سزا دے لینا اہلِ خاندان کا اختیار ہو بلکہ اِس ابتدائی سزا کے لیے بھی ضروری تھا کہ تمام شروط کے مطابق چار گواہ جرم کے وقوع کو ثابت کرنے کے لیے اِس کی تمام ضروری جزئیات کے ساتھ حاکمِ [عدالت] کے رو برو گواہی دیں۔ جرم بلا شک و شبہ ثابت ہو جائے تو حاکمِ [عدالت] کے حکم سے زنا کی مرتکب عورتوں کو اُن کے گھروں میں قید کیا جائے۔ آیت کے آخری کلمات کی طرف اشارہ کرکے فاضل مفسّر نے عارضی سزا اورکوئی دوسری سزا سے ابتدائی اور مستقل حد کے معنیٰ مراد لیے ہیں۔

اِس رائے کی مزید تائید امام ابو بکراحمد بن علی الرّازی الجصّاص علیہ الرحمہ (۳۰۵-۳۷۰ھ) کے اِس موقف سے ہوتی ہے:

لَمْ یختلفِ السّلَفُ فی أنَّ ذلک کان حدُّ الزَّانیّةِ فی بدءِ الاِسلامِ و أنّهُ منسوخٌ غیرُ ثابتِ الحکمِ...و أمَّا الحَبْسُ فکانَ موقوفاً علیٰ وُرودِ السَّبیلِ و قد بیّنَ النّبیُّ ﷺ ذٰلک السّبیلَ و هو الجَلدُ و الرَّجمُ نَسَخ جمیعَ ما ذُکِرَ فی الآیةِ اِلّا ما ذُکِرَ مِن استشهادِ أربعةِ شهودٍ فاِنَّ اِعتبارَ عددِ الشّهودِ باقٍ فی الحدِّ(۱۳)

سلف یعنی متقدّمین اہلِ علم نے اِس نکتہ پر کبھی اختلاف نہیں کیا کہ قید کی یہ سزا ابتدائے اسلام میں زنا کی مرتکب عورت کے لیے حد تھی۔ یہ سزا [بطور حدّ] منسوخ ہو چکی ہے اور یہ حکم اَب نافذ العمل نہیں رہا۔ کیونکہ یہ عمر قید اُن عورتوں کے لیے کوئی راستہ، سبیل نکلنے تک تھی۔ چنانچہ نبیِ مکرّم

۱۲- مرجع سابق، ص ۵۲۳

۱۳- امام أبوبکر أحمد بن علی الجصّاص علیہ الرحمہ (۳۰۵-۳۷۰ھ/ ۹۱۷-۹۸۰ء)، أحکام القرآن، بیروت، دار إحیاء التراث العربی، ۱۴۰۵ھ، ج ۳، ص ۴۱، ۴۵

صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ راستہ بیان فرما دیا کہ وہ حد (کنوارے زنا کاروں کے لیے سَو) کوڑے اور (شادی شدہ زانیوں کے لیے) رجم ہے۔ اِس آیت میں چار گواہوں کی گواہی کے مطالبہ کے سوا جو کچھ تھا، اُسے نبیٔ مختار حضرت محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منسوخ فرما دیا، البتہ نئی حد میں بھی چار مسلمان مرد عادل گواہوں کی اِس تعداد کا اعتبار باقی ہے۔

امام جصّاصؒ چوتھی صدی ہجری کے ممتاز مفسّر اور حنفی فقیہ تھے۔ اِن کے بعد آنے والے مفسّرین کی اِس مسئلہ ونکتہ پر آراء مزید واضح ہوتی گئیں۔ اُن کی قانونی آراء کو یہاں اختصار سے بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ امام جصّاصؒ نے اِس حد تک بات واضح کر دی ہے کہ صدرِ اسلام میں زنا کی مرتکب عورتوں کے لیے ابتدائی حد، سزائے قید تھی۔ اُن کی رائے میں اِس نکتہ پر سب علماءِ تفسیر متفق ہیں۔ اِس لیے اِس کے حد ہونے سے انکار کرتے ہوئے اِسے محض معاشرتی یا خاندانی جرم کہہ دینا محلِ نظر ہے۔ البتہ امام جصّاصؒ کی اِس رائے سے چھٹی صدی ہجری کے نامور مفسّر امام ابو بکر محمّد بن عبد اللہ المعروف بابن العَربی علیہ الرحمہ (۴۶۸-۵۴۳ھ) کو اختلاف ہے کہ یہ سزائے قید، سورۂ النُّور کی آیت نمبر۲ اور حدیثِ رجم سے منسوخ ہو چکی ہے کیونکہ اُن کی رائے میں اِس اِبتدائی حدّ اور بعد میں سورۂ النور کی آیت نمبر۲ میں آنے والی مستقل حدّ میں کوئی تعارض نہیں، بلکہ اِن دونوں میں تطبیق ممکن ہے۔ وہ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر أحكامُ القرآن میں اِس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اِجتمعتِ الأمّةُ علىٰ أنَّ هٰذهِ الآيَةَ ليستْ منسوخةً، لِأنّ النسخَ اِنَّما يكونُ فى القولَينِ المُتَعَارِضَيْنِ مِن كلِّ وجهٍ الَّذَيْنِ لا يُمْكِنُ الْجَمْعُ بَينَهُمَا بِحَالٍ، و اَمَّا اِذَا كانَ الحكمُ ممدوداً اِلىٰ غايةٍ، ثُمَّ وَقَعَ بيانُ الغايةِ بعد ذٰلك فليسَ بنسخٍ، لِانّهُ كلامٌ مُنْتَظَمٌ مُتَّصَلٌ لَمْ يَرْفَعْ ما بعدُهُ ما قبلَهُ و لا اِعتراضَ عليه۔ (۱۴)

۱۴- اِمام ابو بکر محمد بن عبداللہ اندلسی مالکی، الشیخ الأکبر علیہ الرحمہ (۴۶۸-۵۴۳ھ)، أحكام القرآن (تحقیق: محمد عبدالرزاق المہدی)، بیروت، دار الکتاب، ط ۱، ۲۰۰۰، ج ۱، ص ۴۰۲-۴۰۳ و اِمام محمد بن علی شوکانی علیہ الرحمہ (۱۱۷۳-۱۲۵۰ھ/ ۱۷۶۰-۱۸۳۴ء)، تفسیر فتح القدیر، القاہرہ، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۸۳، ج۱، ص ۴۳۸ و **الجامع لأحكام القرآن**، ج ۵، ص ۸۴-۸۵ و اِمام عثمان بن علی بن مجحن، فخر الدین زیلعی حنفی علیہ الرحمہ (م ۷۴۳ھ/ ۱۳۴۳ء)، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، ملتان، مکتبہ امدادیہ، ب ت، ج ۳، ص ۱۷۴

امّت اِس نکتہ پر اکٹھی اور یکسو ہو چکی ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے ، کیونکہ نسخ اُن دو باتوں [اَحکام] میں ہوتا ہے جو ہر پہلو سے ایک دوسرے سے متعارِض ہوں اور جن کو ایک حکم میں جمع کرنا کسی طور سے ممکن نہ ہو۔ تاہم جب کوئی حکم ایک (نامعلوم) حد تک پھیلا دیا گیا ہو، پھر اِس کے بعد اُس حد یا غایت کا بیان واقع ہو جائے تو وہ نسخ نہیں ہوتا، کیونکہ قرآنِ حکیم ایسا کلام ہے جس کا ہر حصّہ اور حکم دوسرے سے جڑا ہوا اور مِلا ہوا ہے۔ اِس لیے اِس کا بعد والا کوئی حکم اپنے سے پہلے والے حکم کو منسوخ نہیں کرتا اور اس نکتہ پر کوئی اعتراض بھی نہیں۔

اِمام اِبن العربی علیہ الرحمہ نے اللہ تعالیٰ کے حکم **فَامۡسِكُوۡهُنَّ فِى الۡبُيُوۡتِ** کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن عورتوں کو اُن کے گھروں میں بند کرنے کا حکم دیا تھااور صدرِ اسلام میں مجرموں کی بہتات ہونے سے پہلے تک اُنہیں وہیں قید کیا جاتا تھا۔ پھر جب جرائم پیشہ افراد کی تعداد میں بہت اضافہ ہوگیا اور اُن کے قوّت پکڑنے (اور سارے معاشرے کو اخلاقی گراوٹ سے دوچار کرنے) کا خطرہ بڑھنے لگا تو اُن کو قید کرنے کیلیے سجن یعنی باقاعدہ جیلیں بنا دی گئیں۔ [۱۵]

ساتویں صدی ہجری کے جلیلُ القدر مفسّر امام قرطبی نے اپنے پیشرو مالکی مفسّر ابن العربی علیہما الرحمہ کی اِس رائے سے اتّفاق کرتے ہوئے اُن کی یہ عبارت نقل کی ہے:

وَ هٰذا الاِمۡسـاكُ وَ الـحَبۡسُ فِي البُيُوتِ كانَ فى صدرِالاِسلامِ قبلَ أنۡ يكۡثرَ الجناةُ، فَلَمَّا كَثرُوۡا وَخُشِيَ قُوَّتُهُمۡ ، أُتُّخِذَلَهُمۡ سِجۡنٌ [۱۶]

امام قرطبیؒ، امام اِبن العربیؒ کے اِس نکتہ کو مزید واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سزائے قید کی مشروعیّت میں کوئی اختلاف نہیں، تاہم علماء تفسیر اور فقہاء کرام میں محض اِس نکتہ پر اختلاف ہے کہ یہ سزا ، حد تھی یا بعد میں آنے والی حدّ کا یہ محض وعدہ تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

۱۵- أحكام القرآن للجصّاص، ج ۱، ص ۴۰۶

۱۶- الجامع لأحكام القرآن، ج ۵، ص ۸۴

والصحیحُ أنّهُ حدٌّ و اِنّما قلنا اِنَّهُ حدٌّ ، لِأنَّه' اِیذاءٌ وَ اِیلامٌ،و مِنَ النّاسِ مَنْ یَرَی اَنَّـہُ اَشَـدُّ مِـنَ الـجَلْدِ،و کُلُّ اِیذاءٍ وَ اِیلامٍ حَدٌّ، لِاَنَّہُ مَنْعٌ وَ زَجْرٌ(۱۷)

اور صحیح رائے یہ ہے کہ سزائے قید، حدّ ہے۔۔۔اور ہماری اپنی رائے بھی یہ ہے کہ یہ حدّ ہے، کیونکہ یہ اِیذاء اور المناک سزا ہے اور [اِسی وجہ سے] بعض اہلِ علم یہ رائے رکھتے ہیں کہ یہ سزائے قید، کوڑوں سے زیادہ شدید سزا ہے۔ ہر اِیذا اورتکلیف دہ سزا میں حدّ کے معنی پائے جاتے ہیں کیونکہ وہ (دل میں جرم کا خیال لانے والوں کو سزا کے خوف کی وجہ سے اِرتکابِ جُرم سے) روکتی ہے اور (جُرم کا اِرتکاب کر چکنے والے کے لیے) یہ تنبیہ ہے۔

امام اِبن العَربیؒ نے سورۃ النّساء:۱۵ اور سورۃ النّور:۲ میں مذکور دونوں حدود یعنی سزائے قید اور سو کوڑوں کی سزا میں مطابقت پیدا کرنے پر غالبًا اِس لیے زور دیا ہے کہ ﴿ أَوْ یَـجْـعَـلَ الـلّٰـہُ لَھُـنَّ سَبِیْلاً ﴾(۱۸) کی وضاحت پر مبنی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیثِ نبوی میں موجود نَـفْـیُ سَنَۃٍ کے کلمات سے امام مالک بن انس (۹۳-۱۷۹ھ/ ۷۱۲-۷۹۵ء) سمیت جمہور فقہاء کرام علیہم الرحمہ نے سزائے قید مراد لی ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ جب عورتوں کی قید تا موت کا حکم نازل ہوا تو نبیِ رحمتﷺ کا چہرۂ انور کرب سے متغیّر ہو گیا تھا مگر جب سورۃ النّور کی آیت ﴿الـزَّانِیَـۃُ وَ الـزَّانِی فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ ﴾(۱۹) نازل ہوئی تو حضور رحمۃٌ للعٰلمین علیہ الصّلاۃ و السّلام کا چہرہ مبارک خوشی سے تمتما اُٹھا۔ آپﷺ نے فرطِ مسرّت سے فرمایا:

خُـذُوْا عَـنِّیْ، خُـذُوْا عَـنِّیْ، خُذُوْا عَنِّیْ، فَقَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیلًا، اَلْبِـکْـرُ بِـالْبِـکْـرِ جَـلْـدُ مِـائَۃٍ وَ نَـفْـیُ سَـنَۃٍ وَ الثَّـیِّـبُ بِالثَّیِّبِ،جَلْدُ مِائۃٍ

۱۷- ایضاً

۱۸- سورہ النساء:۱۵

۱۹- سورہ النور:۲

وَالرَجْمُ.[۲۰]

مجھ سے لو، مجھ سے لو، مجھ سے لو، اللہ تعالیٰ نے زنا کی مرتکب عورتوں کے لیے [قید سے] رُستگاری کا رستہ پیدا کر دیا ہے۔ غیر شادی شدہ مرد، غیر شادی شدہ عورت سے زنا کرے تو اُن کی حدّ سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی ہے اور شادی شدہ مرد، شادی شدہ عورت سے زنا کرے تو اُن کی حدّ سَو کوڑے اور سنگساری ہے۔

صحیح مُسلِم کی اِس حدیث میں نَفْیُ سَنَةٍ کے کلمات روایت ہوئے ہیں جبکہ صحیح بخاری میں تَغْرِیْبُ عَامٍ کے کلمات آئے ہیں۔ اِن ہم معنیٰ کلمات کا یہ اِختلاف دیگر کُتبِ حدیث میں بھی موجود ہے۔

مولانا مودودیؒ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ''یہ حدیث اگرچہ سنداً صحیح ہے مگر روایاتِ صحیحہ کا ایک جمِّ غفیر ہے جو ہمیں بتاتا ہے کہ اِس پر نہ عہدِ نبوی میں کبھی عمل ہوا، نہ عہدِ خُلَفائے راشدین میں اور نہ فقہاء میں سے کسی نے ٹھیک اِس مضمون کے مطابق فتویٰ دیا''۔[۲۱]

غالبًا مولانا مودودیؒ کی اِس رائے کی بنیاد اِمام اَبو بکر الجصّاصؒ کی یہ تحقیق ہے کہ ائمہ اَحناف اَبو حنیفہ، اَبو یوسف، زُفَر اور امام مُحَمَّد علیہم الرحمہ کا موقف ہے کہ شادی شدہ زانی مرد اور عورت کو سنگسار کیا جائے گا، اُنہیں سَو کوڑے نہیں مارے جائیں گے۔ جبکہ کنوارے مرد اور عورت کو اِرتکابِ زنا کی پاداش میں سَو کوڑے مارے جائیں گے، اُنہیں جَلا وطن نہیں کیا جائے گا کیونکہ جَلا وطنی حَدّ نہیں ہے، بلکہ یہ اِمام/قاضی کی صوابدید پر منحصر تعزیری سزا ہے۔ مجرم اور جرم کے حالات و واقعات کے پیشِ نظر اگر قاضی اُسے تعزیراً جَلا وطن کرنے میں مصلحت سمجھے تو اُسے جَلا وطن کر سکتا ہے۔ اُسے یہ بھی اختیار ہے کہ وہ مجرم کی توبہ اور اِصلاح کا یقین ہونے تک اُسے قید میں رکھے۔ قاضی اِبن اَبی لیلیٰؒ، اِمام مالکؒ، امام اَوزاعیؒ، اِمام سفیان ثوریؒ اور حسن بن صالحؒ بھی ائمہ احنافؒ کے ساتھ اِس نکتہ پر متفق ہیں کہ کوڑوں اور سنگساری کی دونوں سزائیں کسی ایک ہی مقدمہ میں مجرم کو بیک وقت بطور حد نہیں دی جا سکتیں۔ لیکن وہ کنوارے زنا کار مرد یا عورت کو کوڑوں کی سزا

۲۰- اِمام اَبوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم قشیری نیشاپوری علیہ الرحمہ (۲۰۴-۲۶۱ھ/ ۸۲۰- ۸۷۵م)، صحیح مسلم، الریاض، دارالسلام، ۱۹۹۹، ج ۱، ص ۴۰۶

۲۱- **تفہیم القرآن**، ج ۳، ص ۳۱۹

دینے کے بعد تعزیراً جلا وطن کرنے کے قائل ہیں۔امام مالکؒ کا موقف ہے کہ کنوارے زانی کو تو سَو کوڑوں کے بعد ایک سال کے لیے جَلا وطن کیا جائے گا مگر کنواری زانیہ اور غلام کو جَلا وطن نہیں کیا جائے گا۔ وہ مزید وضاحت کرتے ہیں کہ وَ مَنْ نُفِيَ حُبِسَ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِيْ يُنْفَى اِلَيْهِ(۲۲) (اور جسے جَلا وطن کیا جائے تو جس علاقہ میں اُسے جَلا وطن کیا جائے، وہاں اُسے قید کرکے رکھا جائے)۔

اِن ممتاز مُفسّرین و ائمّہ ٔ مجتہدین علیہم الرحمہ کی مذکورہ بالاتفسیری آراء سے یہ بات پورے طور سے نکھر کر سامنے آ گئی ہے کہ زنا کی مرتکب عورتوں کے لیے سورۃ النِّساء:۱۵ میں مذکور سزائے قید کی شرعی حدّ، سورۃ النُّور:۲ میں سَو کوڑوں کا حُکمِ الٰہی آ جانے سے منسوخ ہو چکی ہے البتہ اِس جُرم کی پاداش میں کنوارے مُجرموں کو سَو کوڑے مارنے کے بعداُن کے عادی مجرم ہونے کی بناء پر اُن کو بطورِ تعزیر سزائے قید دینے کا قاضی کو شریعت نے اِختیار دیا ہے۔

آیاتُ الأحکام کے موضوع پرلکھی گئی نہایت معتبر تفاسیرکی روشنی میں سورۃ النِّساء کی اِس پندرہویں آیت کے مطالعہ سے ہمیں یہ جاننے کا بھی موقع ملا ہے کہ ہزاروں برس سے جاری انسانوں کی وضع کردہ سزائے قید کی خوفناک تطبیقات کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے زنا کے اِنتہائی گھناؤنے جرم کی مرتکب عورتوں کو اُن کے گھروں میں قید کرنے کا عبوری اور عارضی حکم ارشاد فرمایا تھا۔ اِس قید کے دوران وہ اپنے افرادِ خانہ کے ساتھ رہ سکتی تھیں۔ اپنی بساط اور مرضی کے مطابق پکا، کھا سکتی تھیں۔وہ سورج کی روشنی وحرارت اور چاند کی چاندنی سے لطف اندوز ہوسکتی تھیں اور اپنی کشائش کے مطابق آسائش کا لباس زیبِ تَن کر سکتی تھیں۔ اِس سزا کے دوران اُنہیں کوئی مزید سزا نہیں دی جا سکتی تھی۔ ماسوائے اپنے گھر سے باہر نکلنے اور شادی رچانے کی پابندی کے،اُن پر کچھ قدغن نہ تھی۔ اِس درجہ نرم سزائے قید کے باوجود اِس کا حکمِ الٰہی نازل ہونے پر حضورنبیِ رحمتﷺ کا چہرۂ انور اپنی امت کی ہمدردی میں کرب سے متغیّر ہوگیا تھااور آپﷺ شدّت سے انتظار فرمانے لگے تھے کہ کب اللہ تعالیٰ اِس قید سے اُن عورتوں کو رُستگاری عطا فرماتا ہے۔حضور رحمۃٌ للعالمینﷺ کے قلبِ مبارک کو شادمانی سے معمور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے زنا کی مرتکب عورتوں کے لیے یہ ابتدائی حدّ منسوخ فرمادی،لیکن خود سزائے قید کو غیر اِسلامی یا غیر شرعی قرار نہیں دیا۔ اِسی وجہ سے حضرت اِمام مالک علیہ الرحمہ نے حدیثِ عبادہ بن صامت(رضی اللہ عنہ) میں نَفْیُ سَنَةٍ یعنی ایک سال تک

۲۲- أحکام القرآن للجصاص، ج ۵،ص ۹۵

جلا وطنی کی تطبیق کا طریقہ یہ بیان فرمایا ہے کہ ایسے مجرم کو جس علاقہ میں جلا وطن کیا جائے، اُسے وہاں پر قید کر کے رکھا جائے۔ گویا سورۃ النّساء کی ۱۵ویں آیت میں مذکور سزائے قید تا موت کو حدیثِ مبارک میں ایک سال کی مختصر مدّت تک محدود کر دیا گیاہے۔ صاحبِ تدبُّرِ قرآن مولانا امین احسن اصلاحی علیہ الرحمہ کا استدلال ہے کہ ''علاوہ ازیں فَامۡسِکُوۡهُنَّ فِی الۡبُیُوۡتِ کے الفاظ سے تعزیری مقاصد کے لیے جیل کے سسٹم کا جواز بھی نکلتا ہے''۔ (۲۳)

۳- سزائے قید کے موضوع پر قرآنِ حکیم کی تیسری اہم آیت سورۃ المائدہ کی ۳۳ویں آیت ہے۔ اِسے آیتِ حرابہ بھی کہتے ہیں۔ اِس میں جرائمِ حدود میں شامل ایک انتہائی سنگین جرم مسلح ڈکیتی کی چار مختلف سطحوں کے لیے چار سزائیں بیان ہوئی ہیں تا کہ جرم کی سطح اور حالات و واقعات کی رعایت کرتے ہوئے مجرم کو اِن میں سے کوئی مناسب سزا دی جاسکے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ وَ یَسۡعَوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَسَادًا اَنۡ یُّقَتَّلُوۡۤا اَوۡ یُصَلَّبُوۡۤا اَوۡ تُقَطَّعَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَ اَرۡجُلُهُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ اَوۡ یُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ....الخ﴾ (۲۴)

بلا شُبہ سزا اُن لوگوں کی جو جنگ کرتے ہیں اللہ اور اُس کے رسول سے اور کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد برپا کرنے کی، یہ ہے کہ اُنہیں (چُن چُن کر) قتل کیا جائے یا سُولی دیا جائے یا کاٹے جائیں اُن کے ہاتھ اور اُن کے پاؤں مختلف طرفوں سے یا جلا وطن کر دیئے جائیں۔ (۲۵)

اِس آیتِ مبارکہ میں شامل کلمات اَوۡ یُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ سے متقدّمین اور متاخّرین میں سے اکثر مفسّرین کرامؒ نے سزائے قید کے معنٰی مراد لیے ہیں۔ حضرت ابنِ عبّاس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما کے علاوہ ائمہ اسلام، حسن بصری، سدّی، ضحاک، قتادہ، سعید بن جُبَیر، ربیع بن اَنس، شہاب زھری، امام شافعی

۲۳- مولانا امین احسن اصلاحی علیہ الرحمہ (۱۳۲۲-۱۴۱۸ھ/۱۹۰۴-۱۹۹۷ء)، **تدبُّرِ قرآن**، لاہور، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، س ن، ج۲، ص ۳۸

۲۴- سورہ المائدہ: ۳۳

۲۵- **ضیاء القرآن**، ج ۱، ص ۴۶۴

اور لیث بن سعد علیہم الرحمہ کی رائے یہ ہے کہ اِس آیت میں مذکور سزاؤں کی تطبیق کے لیے مجرموں کو اُس شہر سے کسی دوسرے شہر میں جلا وطن کیا جائے گا اور وہاں پر اُنہیں (قاضی کے رُو برو) طلب کیا جائے گا تا کہ اُن پر اِن حدود کا نفاذ کیا جائے۔ عبارت ملاحظہ ہو: أَنَّهُمْ يُخْرَجُوْنَ مِنْ بَلَدٍ اِلىٰ بَلَدٍ، وَ يُطْلَبُوْنَ لِتُقَامَ عَلَيْهِمُ الْحُدُوْدُ۔ (۲۶)

امام قرطبی علیہ الرحمہ مزید لکھتے ہیں:

> وَقَالَ مَالِكٌ أيضاً: يُنْفَى مِنَ البَلَدِ الَّذِى أُحدِثَ فِيْهِ هٰذا اِلىٰ غَيْرِهِ وَ يُحْبَسُ فِيْهِ كَالزَانِى وَ قَالَ مَالِكٌ أيضاً وَ الْكُوْفِيُوْنَ: نَفْيُهُمْ سِجْنُهُمْ فَيُنْفَى مِنْ سِعَةِ الْدُّنْيَا اِلىٰ ضِيْقِهَا، فَصَارَ كَأَنَّهُ اِذَا سُجِنَ فَقَدْ نُفِىَ مِنَ الْاَرْضِ. (۲۷)
>
> حضرت امام مالِک بن انس علیہ الرحمہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جس شہر میں یہ واردات کی گئی ہو، وہاں سے اُسے کسی دوسرے شہر میں جلا وطن کر دیا جائے گا اور وہاں پر اسے زانی کی طرح قید کیا جائے گا۔ امام مالک اور ائمہَ اَحناف علیہم الرحمہ کا یہ بھی موقف ہے کہ ایسے ڈاکوؤں کی جَلا وطنی کا مطلب ان کو جیل میں قید کر کے رکھنا ہے۔ چنانچہ اسے دنیا کی وسعت سے اس کی تنگ جگہ میں قید کیا جائے گا، تو جب اسے جیل میں قید کیا جائے گا تو گویا اسے ساری زمین (دنیا) سے جلا وطن کر دیا گیا۔

حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہما اِس آیت میں مذکور چار سزاؤں کی اِس قرآنی ترتیب سے تطبیق پر زور دیتے ہیں تا کہ ہر مجرم کے لیے اُس کے جُرم کی سطح کے مطابق سزا کو یقینی بنایا جا سکے۔ مثلاً اگر کسی مسلّح رَہزن نے خوف و دہشت پھیلا کر راستے کو پُرخطر بنا دیا اور کسی سے مال لُوٹا مگر کسی کو قتل نہیں کیا تو اُس کے ہاتھ پاؤں مخالف طرفوں سے کاٹ دیئے جائیں گے۔ اور جس ڈاکو نے مال لُوٹا اور قتل بھی کیا تو اُس کے ہاتھ پاؤں اُلٹی سمتوں سے کاٹ کر اُسے سُولی چڑھایا جائے گا۔اور جس نے قتل کیا مگر مال نہیں لُوٹا تو اُسے

۲۶- الجامع لأحكام القرآن، ج ٦، ص ١٠٥

۲۷- ایضاً

قتل کیا جائے گا۔ اور وہ ڈاکو جس نے نہ مال لُوٹااور نہ ہی کسی کو قتل کیا، صرف دہشت پھیلائی تو اُسے جَلا وطن کیا جائے گا۔(۲۸)

اِمام اِبنِ جریر الطَّبر ی علیہ الرحمہ (۲۲۴-۳۱۰ھ) کے مطابق اِمام ابو حنیفہ اور دیگر اَحناف علیہم الرحمہ نے آیت اَوْ یُنفَوْا مِنَ الْاَرْضِ سے سزائے قید مراد لی ہے۔ اُن کی اپنی رائے میں اِس کا بہترین مفہوم یہ ہے کہ مجرموں کو کسی دور دراز شہر کی جیل میں قید رکھا جائے تا کہ جَلا وطنی(اور قید) پر صحیح طور سے عمل ہو سکے۔(۲۹)

اِنہوں نے اپنی اِس رائے کی تائید میں حضرت عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمہ (۶۱-۱۰۱ھ/۶۸۱-۷۲۰م و عہد خلافت ۹۹-۱۰۱ھ) کے ایک حکم نامے کے کلمات درج کیے ہیں جو اُنہوں نے اپنے گورنر حبان بن شُرَیح علیہ الرحمہ کو لکھا تھا۔اِس میں اُنہوں نے اُسے یہ ہدایت کی تھی کہ خطرناک چوروں کی گردنوں میں لوہے کے طوق ڈال کر اُنہیں شَغْب (مدینہ منوّرہ اور شام کے درمیان ایک علاقہ) میں جَلا وطن کر دو یعنی وہاں کی جیل میں قید کر دو۔ گردنوں میں طوق ڈالنے کا مقصد عام لوگوں کو اُن کے خطرناک مجرم ہونے سے آگاہ کرنا تھا۔(۳۰)

اِس سے پہلے حبّان اپنے خط میں اُنہیں اِن مخصوص چوروں کے خطرناک جرائم اور اُنہیں جیلوں میں رکھنے کی کیفیت سے آگاہ کر چکے تھے۔ مگر اُنہوں نے آیتِ حرابہ کا حوالہ دیتے ہوئے اِس کے آخری حصّہ میں موجود اَوْ یُنفَوْا مِنَ الْاَرْضِ کے الفاظ اپنے خط میں چھوڑ دیئے تھے جس کا حضرت عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمہ نے نوٹس لیا کیونکہ اِن الفاظ کے بغیر اِن خطرناک مجرموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم مکمل طور پر واضح نہیں کیا جا سکتا۔ (۳۱)

حضرت عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمہ کے اِس خط میں اگرچہ بظاہر چوروں کا ذکر ہے لیکن آیتِ

۲۸- ایضاً، ص ۱۰۴

۲۹- امام اَبوجعفر محمد بن جریر طبری علیہ الرحمہ (۲۲۴-۳۱۰ھ/ ۸۳۹-۹۲۳ء)، جامع البیان عن تأویل آی القرآن (تحقیق: محمود شاکر)، بیروت، دار إحیاء التراث العربي، ب ت، ج ۵، ص ۲۶۲

۳۰- ایضاً

۳۱- ایضاً

حرابہ کا حوالہ دیئے جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ موضوعِ بحث حضرت اِبنِ عبّاس رضی اللہ عنہما، مفسرین کرام اور فُقہاءِ اِسلام علیہم الرحمہ کی بیان کردہ ڈاکوؤں کی وہ قسم تھی جنہوں نے نہ مال لُوٹا ہو اور نہ ہی کسی کو قتل کیا ہو بلکہ صرف دہشت پھیلا کر شاہراہوں کو خطرناک بنا دیا ہو۔ اگر اِس قسم کے ڈاکو اپنی مسلسل کارروائیوں سے گزرگاہوں کو غیر محفوظ بناتے رہیں تو اسلامی ریاست کا سربراہ یا اس کا مقرر کردہ قاضی انہیں مفسرین کرام اور فقہاءِ اسلام کی تعبیرات کے مطابق قید کرنے کے علاوہ دورانِ قید مزید کوئی تعزیری سزا دینے کا بھی اِختیار رکھتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ عام لوگوں کو اِن خطرناک مجرموں سے نمایاں طور پر آگاہ کرنے کے لیے اُن کی گردنوں میں لوہے کے طوق ڈالنے کا حکم دینے کا بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ نے تعزیری اِختیار استعمال فرمایا تھا۔

سورۃ المائدہ کی اِس ۳۳ویں آیت کے تحقیقی مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ڈاکہ زنی جیسے گھناؤنے معاشرتی جُرم کی مختلف سطحوں کے اِنسداد کے لیے دیگر اِنتہائی شدید سزاؤں کے پہلو بہ پہلو اس کے چوتھے درجہ میں معاشرے میں خوف و دہشت پھیلانے والوں کو جَلاوطن کرنے یعنی اُنہیں سزائے قید دینے کا حکم بھی اِرشاد فرمایا ہے۔

مذکورہ بالا تفسیری آراء اور حضرت عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمہ کے خط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صدی ہجری کے اختتام تک اِسلامی ریاست کے طول و عرض میں مختلف اقسام کی جیلوں کا باقاعدہ نظام وجود میں آ چکا تھا۔ اِسی لیے اُنہوں نے اِنتہائی خطرناک مجرموں کو کسی عام جیل میں قید رکھنے کے بجائے اُنہیں شَغَب کے علاقہ کی اُس جیل میں قید کرنے کا اپنے گورنر کو حُکم دیا تھا جو ایسے خطرناک مجرموں کے لیے بطورِ خاص تیار کی گئی تھی۔ چونکہ اُن کے دور میں جیلوں کے اندر خطرناک قیدیوں کو الگ الگ کوٹھڑیوں (Cells) میں قید کرنے کا ابھی آغاز یا اِنتظام نہیں ہوا تھا، اِس لیے اُنہوں نے اِن مُجرموں کے سنگین جرائم سے عام لوگوں اور دیگر قیدیوں کو آگاہ کرنے کے لیے اِن کی گردنوں میں لوہے کے طوق ڈالنے کا اضافی تعزیری حُکم بھی دیا تھا۔

۴- ﴿فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ.. الخ﴾ [۳۲]

پھر جب (میدانِ جنگ میں) تمہارا کُفّار سے آمنا سامنا ہو تو اُن کی

۳۲- سورہ محمد: ۴

گردنیں اُڑا دو، یہاں تک کہ جب اُنہیں خوب قتل کر لو تو پھر کس کر باندھو رسّیاں۔(۳۳)

قُرآنِ حکیم کی اِس آیت مبارکہ سے مفسّرینِ کرامؒ نے سزائے قید کے جواز پر اِستدلال کیا ہے۔ اِس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اِس آیت کا پس منظر بیان کر دیا جائے۔

توحید و رسالت کے پروانوں پر کُفّارِ مکّہ کے مَظالم جب حد سے بڑھ گئے تو وہ اپنے گھر بار، کاروبار اور زمینیں سب کچھ مکّہ مکرّمہ میں چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہجرت کرکے مدینہ منوَّرہ آ کر آباد ہو گئے۔ اُنہوں نے سوچا ہو گا کہ اَب وہ اہلِ مکّہ کی طرف سے ہرطرح کی اِیذا رسانی سے محفوظ رہیں گے اور امن و بھائی چارے کے ماحول میں عبادتِ الٰہی اور نشر و دعوتِ اسلام کے کام پوری دلجمعی کے ساتھ بلا خوف و خطر سرانجام دے سکیں گے۔ مگر کُفّارِ مکّہ نے اُنہیں یہاں بھی چین سے رہنے نہ دیا۔ اُن کی روز اَفزوں جارحانہ کارروائیوں کی وجہ سے اَب اِس کے سوا کوئی راستہ نہ رہا تھا کہ مسلمان بھی اپنے دین اور مدینہ منوّرہ کی اِس نوزائیدہ اِسلامی ریاست کے تحفُّظ کے لیے مجبوراً ہتھیار اُٹھائیں۔ چنانچہ سورۂ حج کی آیت ۳۹ اور سورۂ بقرہ کی آیت ۱۹۰ میں جہاد بمعنٰی قِتال کی اِجازتِ خُداوندی مرحمت ہوئی۔ جبکہ سورۂ مُحمّد کی آیت نمبر۴ میں کُفّار سے متوقع جنگ کے حوالہ سے اہم ہدایات دے دی گئیں۔ اِس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب تم مدینہ منورہ کی نو زائیدہ اِسلامی ریاست کے خلاف جارحیّت کے مرتکب کفّار کے کُشتوں کے پُشتے لگا دو اور اُنہیں زخموں سے چُور چُور کر دو، یہاں تک کہ اُن میں مزید لڑنے کی سکت باقی نہ رہے اور جنگ ختم ہو جائے تو باقی ماندہ جنگ جُو کُفّار کو قید کر لو اور اُن کی مُشکیں خوب کَس کر باندھ لو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بھاگ جائیں اور پلٹ کر پھرتمہارے لیے کسی خطرے کا باعث بنیں۔ اِمام قرطبی علیہ الرحمہ نے **فَشُدُّوا الْوَثَاقَ** کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے **اَیْ اِذَا اَسَرْتُمُوْهُمْ**(۳۴) (یعنی جب تُم اُنہیں اَسیر بنالو)۔

وہ مزید کہتے ہیں کہ حضرت سعید بن جبیر علیہ الرحمہ کا موقف یہ ہے کہ میدانِ جنگ میں کُفّار کا خوب قلع قمع کرنے کے بعد ہی زندہ بچ جانے والے کُفّار کو جنگی قیدی بنایا جائے گا۔ جب قیدی بنا لیا جائے تو اُن کے معاملہ میں اِمام (مسلِم سربراہِ حکومت) کو اختیار ہوگا کہ وہ جسے قتل کرنے میں مصلحت دیکھے، اُسے

۳۳- **ضیاء القرآن**، ج ۴، ص ۵۰۵

۳۴- الجامع لأحکام القرآن، ج ۱۶، ص ۲۰۸

قتل کر دے یا کوئی اور فیصلہ کرے جبکہ حضرت عبد اللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما کی رائے یہ ہے کہ امام کو جنگی قیدیوں پر احسان کرتے ہوئے اُنہیں رہا کرنے، فدیہ لے کر آزاد کرنے یا کسی مصلحت کے تحت اُنہیں قتل کرنے میں سے کوئی بھی فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے **اَلامِـامُ مُخَيَّرٌ فِی كُلِّ حَالٍ** یعنی امام کو ہر حال میں اختیار دیا گیا ہے۔(کہ وہ اِن صورتوں میں سے جس میں مسلمانوں کی زیادہ مصلحت دیکھے، اُس کے مطابق فیصلہ کر لے)۔عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما،حسن بصری، عطاء، اِمام مالک، اِمام شافعی،سفیان ثوری، اُوزاعی اور ابو عُبَید قاسم بن سلام علیہم الرحمہ کا بھی موقف یہی ہے۔(۳۵)

الشیخ اسماعیل حقّی البروسوی علیہ الرحمہ (م ۱۱۳۷ھ/۱۷۲۴ء) نے اِس آیت مبارکہ کے معنی **فَـاَسَرُوهُمْ وَ احْفَظُوهُم** (۳۶) یعنی: اُنہیں قید کرلو اور اُن کی کڑی نگرانی کرو، بیان کیے ہیں۔جبکہ ابواللیث علیہ الرحمہ کہتے ہیں : **اِذَا قَهَـرْتُـمُـوهُـمْ فَـاسْتَـوثِـقُـوا أيْـدِيَهُـمْ مِنْ خَلْفِهِمْ كَيْلَا يَفْلَتُوا وَ الْاَسَرُّ يكونُ بعدَ المُبالَغة ِفى الـقـتـلِ** (۳۷) یعنی: جب تم اُن پر غلبہ پا لو تو اُن کے ہاتھ پیچھے سے خوب کس کر باندھ لو تا کہ وہ فرار نہ ہو سکیں اور یہ قیدی بنانا خوب قتل کر لینے کے بعد ہوگا۔

اِس آیت کے منسوخ یا غیر منسوخ ہونے کے بارے میں مفسرین کرام علیہم الرحمہ کی آراء نقل کرنے کے بعد اِمام اِبن العربی علیہ الرحمہ حاصلِ بحث بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: **وَ التحقيقُ وَ الصحيحُ أنَّها مُحكَمَة**(۳۸) کہ ہماری تحقیق کے مطابق اور صحیح بھی یہ ہے کہ یہ آیت مُحکَم ہے یعنی منسوخ نہیں۔

ہم نے ابھی اسلامی ریاست کے اندر ہونے والے سنگین اَخلاقی و معاشرتی جرائم اور اِس کے خلاف بیرونی جارحیّت کے مرتکب کُفّار کی سزاؤں کے بارے میں چار آیات مبارکہ اور جلیل القدر مفسرینِ کرام علیہم الرحمہ کی مذکورہ بالاتفسیری آراء کا جائزہ پیش کیا ہے۔اِس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مختلف جرائم کے اِنسداد کے لیے اسلام میں سزائے قید نہ صرف جائز ہے بلکہ صدرِ اِسلام کے بعد اِس کی تطبیقات میں خاصی

۳۵- ایضاً،ص ۲۱۰

۳۶- علامہ اسماعیل حقی، بروسوی حنفی علیہ الرحمہ (۱۱۳۷ھ/ ۱۷۲۵ء)، تفسیر روح البیان، بیروت، دار إحیاء التراث العربی، ط ا، ۲۰۰۱ء، ج ۸،ص ۶۷۲

۳۷- ایضاً

۳۸- أحكام القرآن للجصاص، ج ۴،ص ۹۸

وسعت آئی ہے۔ اسلام میں اِس سزا کی تطبیقات صرف معاشرتی جرائم تک محدود نہیں بلکہ مالی واجبات کی عدم ادائیگی پر بھی قرآنِ حکیم کی مندرجہ ذیل آیت مبارکہ سے مفسرین کرام علیہم الرحمہ نے سزائے قید کے جواز پر استدلال کیا ہے۔

۵- ﴿ وَ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا﴾ [۳۹]

اور اہلِ کتاب میں سے بعض ایسے (دیانتدار) ہیں کہ اگر تُو امانت رکھے اُس کے پاس ایک ڈھیر (سونے چاندی کا) تو ادا کر دے اُسے تمہاری طرف اور اُن میں سے بعض وہ بھی ہیں کہ اگر تُو امانت رکھے اُس کے پاس ایک دینار تو واپس نہ کرے گا اُسے تیری طرف مگر جب تک اُس کے سر پر کھڑا رہے۔[۴۰]

اِس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اگرچہ یہودیوں میں موجود امانتدار اور بد دیانت دونوں قسم کے افراد سے آگاہ فرمایا ہے تاکہ اہلِ ایمان اُن سے معاملہ کرنے سے احتراز برتیں۔ اگر ایسا کرنا مجبوری بن جائے تو پوری طرح تحقیق کرنے کے بعد ہی معاملہ کا ڈول ڈالا جائے۔ ہر چند کہ یہ دونوں اوصاف مسلمانوں کے مختلف طبقوں میں بھی موجود ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی غیرت نے یہ گوارا نہیں فرمایا کہ بددیانتی کی بُری خصلت کی نسبت بھی اہلِ ایمان کی طرف کی جائے۔ اِس آیت میں موجود کلمات **اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِماً** کا مفہوم یہ ہے کہ بد دیانت شخص اُس وقت تک ادائیگی نہیں کرتا جب تک تُم اُس کے سر پر کھڑے نہ رہو۔ اِمام قرطبی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کے لوگوں کا ذکر فرمادیا ہے: **مَن يُّؤَدِّى وَ مَنْ لَا يُؤَدِّى اِلَّا بِالْمُلَازَمَةِ عَلَيْهِ**[۴۱] یعنی: جو ادائیگی کر دیتا ہے اور جو شخص اُس وقت تک ادائیگی نہیں کرتا جب تک اُس کی کڑی نگرانی نہ کی جائے۔ وہ مزید کہتے ہیں: **فَاِذَا كَانَ لَهُ مُلَازَمَتُهُ وَ مَنْعُهُ مِنَ التّصرُّفِ ، جَازَ حَبْسُهُ** [۴۲]

۳۹- سورہ آل عمران:۷۵

۴۰- **ضیاء القرآن**، ج ۱، ص ۲۴۴-۲۴۵

۴۱- **الجامع لأحكام القرآن**، ج ۴، ص ۱۰۹

۴۲- ایضاً، ص ۱۱۰

یعنی: جب اُس کی کڑی نگرانی کرنا اور اُسے مالی تصرُّ فات سے روکنا اِس آیتِ مبارکہ کی رو سے جائز ہے تو اُسے اِس جُرم کی پاداش میں قید کرنا بھی جائز ہوا۔

امام مالک بن انس علیہ الرحمہ (م ۱۷۹ھ) نے قرض کی عدم ادائیگی کی صورت میں مقروض کو سزائے قید دیتے وقت ادائیگی پر قادر اور مفلس و نادار مقروض کے درمیان فرق کوملحوظ رکھنے کے لیے کہا ہے کہ قرض کی عدم ادائیگی کی صورت میں قاضی اپنے ذرائع سے معلوم کرے کہ کہیں نا دہندہ نے اپنا مال و دولت چھپا تو نہیں لیا۔ اگر اُس نے ایسا کیا ہو اور استطاعت و قدرت کے باوجود ادائیگی نہ کر رہا ہو یا ادائیگی سے انکار کر دے تو ایسے مقروض کواُس وقت تک قید کیا جا سکتا ہے جب تک وہ قرض ادا نہ کر دے۔اگر وہ محض تنگ دستی کی وجہ سے ادائیگی نہ کر رہا ہوتو اسے سزائے قید دینا جائزنہیں۔(۴۳)

بظاہر امام مالک علیہ الرحمہ کے اِس قول کی بنیاد اِسی موضوع پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا یہ اِرشادِ مبارک ہے: ﴿ وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ﴾ (۴۴) ترجمہ: اور اگر وہ(مقروض) تنگدست ہوتو اُس کی خوشحالی تک اُسے مُہلت دی جائے۔

امام مالک علیہ الرحمہ کے اِس قول کے باوجود مالکی مفسر امام قُرطبی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ مذکورہ بالاآیت سے صرف امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ نے ملازمة یعنی مقروض کی کڑی نگرانی کرنے اور قرض خواہ کے اُس کے ساتھ نتھی رہنے پر استدلال کیا ہے جبکہ باقی ائمّہ علیہم الرحمہ اِس رائے کو درست نہیں سمجھتے۔(۴۵) تاہم وہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ بغداد سے تعلق رکھنے والے ہمارے بعض(مالکی) علماء نے بھی مقروض کی کڑی نگرانی اور اُسے مالی تصرُّ فات سے روکنے کے لیے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ اگر اُن کے نزدیک یہ ملازمۃ جائز ہےتو اُسے قید کرنا بھی جائز ہوا۔ عِبارت ملاحظہ فرمائیے: **وَ قَدِ استدلَّ بعضُ علمائناعلیٰ حَبْسِ المدینِ، فَاِذَا کانَ لَهُ ملازمتُهُ وَ منعُهُ مِنَ التَّصرُّفِ ،،جَازَ حَبْسُهُ**(۴۶)

۴۳- امام مالک بن انس بن مالک، امام دار الھجرۃ، علیہ الرحمہ (۹۳-۱۷۹ھ/۷۱۲-۷۹۵ء)، المدوّنة الکبریٰ (بروایۃ سحنونؒ)، القاہرۃ، مطبعۃ السعادۃ،۱۳۲۳ھ، ج ۱۳،ص ۵۵

۴۴- سورہ البقرہ:۲۸۰

۴۵- الجامع لأحکام القرآن، ج ۳،ص ۱۰۹

۴۶- ایضاً

یہ آیتِ مبارکہ سزائے قید کے جواز کی اہم دلیل ہے کیونکہ اِسے مفسرینِ کِرام علیہم الرحمہ نے قُرآنِ حکیم کی آیاتُ الأحکام میں شمار کر کے اِس سے سزائے قید کا جواز واضح کیا ہے۔ اِس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اِسلام نے امانت میں خیانت کرنے اور قرض لے کر ادائیگی پر قادر ہونے کے باوجود ٹال مٹول کرنے یا صاف انکار کر دینے کو مستوجبِ سزائے قید جرم قرار دیا ہے۔

مُحوّلہ بالا آیات مبارکہ اورمفسرین کرام علیہم الرحمہ کی تفسیری آراء سے صدرِ اِسلام اور اُس کے بعد سزائے قید کی عملی تطبیقات میں واقع ہونے والے تطوُّر و ترقّی پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً پہلے مرحلہ میں حضور نبیٔ مکرّم ﷺ کے عہد مسعود میں زنا کا سنگین جُرم کے ثابت ہونے پر اس کی مرتکب خواتین کو اُن کے گھروں میں ہی قید کیے جانے کا حکم نازل ہوا تھا۔ اِس دوران وہ اپنے اَفرادِ خانہ کے درمیان رہ سکتی تھیں اور جو چاہتیں، پکا، کھا سکتی تھیں۔ اُن پر اپنے گھر سے باہر نکلنے اور شادی رچانے کی پابندی کے سوا کوئی قدغن نہ تھی۔ اگراِس قید کا حضرت یوسف علیہ السّلام کی انتہائی سخت قید سے موازنہ کیا جائے کہ جس کا بظاہر سبب صرف اقدامِ زنا کا جھوٹا الزام تھا اور اِس کا اِعتراف اُنہیں شدید نوعیت کی طویل سزائے قید دینے والوں کو بھی تھا تو ریاستِ مدینہ کے اُس نبوی معاشرہ میں زنا کا اِرتکاب کرنے والی عورتوں کے لیے قرآنِ حکیم کی بیان کردہ عارضی و اِبتدائی حد کے طور پر اُنہیں اُن کے اپنے ہی گھروں میں دی جانے والی سزائے قید سے اس کی تطبیق و تنفیذ میں عدل و انصاف اور کرامتِ آدمیت کو ہر حال میں مقدم رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ سیّدنا یوسف علیہ السَّلام کے مقدمہ کے برعکس یہاں پر چار عادل گواہوں ، اُن کی چشم دید شہادت اور اِس جُرم کے بلا شک و شُبہ ثابت ہونے جیسی کڑی شروط پوری ہونے کے بعد ہی حاکمِ عدالت اللہ تعالیٰ کے حُکم کے مطابق سزا دینے کا مُکلَّف تھا۔ جبکہ سزائے قید کی تطبیقات کے دوسرے مرحلہ میں مختلف جرائم کا فیصلہ ہونے تک مردملزموں کو مسجدِ نبوی میں ہی قید کیا جاتا تھا۔ اِس قیدکی وجہ یہ احتیاط تھی کہ کوئی مُلزَم مقدمہ کا فیصلہ ہونے سے پہلے فرار نہ ہو جائے۔ اسی لیے کئی اہلِ علم اِسے اِحتیاطی قید کا نام دیتے ہیں۔ (۴۷)

مال کی حفاظت مقاصدِ شریعت میں سے ایک اہم مقصد ہے۔ اِس لیے انسانی ہمدردی کی بنیاد پر قرض دینے والے کے مال کی حفاظت کی خاطر مقروض کو قرض کی ادائیگی پر مجبور کرنے یا اُس کی تنگ دستی ظاہر ہونے تک اُسے قرض خواہ کے کڑے پہرہ میں دیا جاتا تھا۔ یہاں پر یہ بات بھی لائقِ توجُّہ ہے کہ اسلام

۴۷- ایضاً، ج ١٦،ص ۲۲۱

کے ابتدائی دور میں مجرموں کو مسجد نبوی کے پاکیزہ ماحول میں رکھا جاتا تھا جہاں وہ اپنے سے بہتر اور انتہائی مُتّقی حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم کو پانچ نمازوں کے لیے آتا جاتا دیکھ کر اپنے سابقہ طرزِ عمل کی اصلاح اور توبہ کر کے معاشرے کے صالح اور مفیدافراد بن سکتے تھے۔ احکامِ شریعت کا بنیادی ہدف ایک صالح، مفید اور فعّال فرد اورمعاشرہ کی تشکیل وتعمیر ہے۔ چنانچہ شریعتِ محمّدیہ علیٰ صاحبہا الصَّلاۃُ و السَّلام نے نہ صرف سابقہ ادوار کی وحشیانہ اور انسانیت سوز سزاؤں اور ریاستی جبر و قہر کی عکّاس اُن کی عملی تطبیقات میں انقلابی اصلاحات متعارف کرائیں بلکہ اُنہیں انسانی کردار سازی کا ذریعہ اور شرفِ آدمیّت کا مظہر بنا دیا ہے۔

امیر المُؤمنین سیّدنافاروقِ اعظم رضی اللہ عنہٗ کے عہدِ مسعود میں جب مسلسل فتوحات کے نتیجہ میں اسلامی ریاست کی حدود لاکھوں مربع میل تک وسیع ہوگئیں تو اِس وسیع وعریض ریاست کی آبادی اور مجرموں کی تعداد میں بھی اِسی نسبت سے بہت اضافہ ہو گیا تھا۔اَب اسلامی معاشرہ پہلے جیسا ایک محدود قبائلی معاشرہ نہیں رہا تھا۔ خصوصاً ایران، عراق، شام اور مصر جو اُس وقت کے متمدن ممالک شمار ہوتے تھے، اُن کے اسلامی ریاست میں شامل ہونے کے بعد ان علاقوں سے جرائم پیشہ افراد بھی تیزی کے ساتھ مرکزِ اسلام میں آنا شروع ہو گئے تھے۔ اَب مختلف جرائم کے ارتکاب پر ایک کثیر تعداد میں مجرموں کو قید کرنے کی مسجدِ نبوی میں گنجائش نہ رہی تھی۔ اِس تیزی سے بدلتی ہوئی صورتِ حال کے پیشِ نظر اسلام کے عبقری خلیفہ سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہٗ نے صفوان بن اُمیّہ سے اُن کا وسیع وعریض حویلی نما مکان چار ہزار دراہم میں خرید کر اُسے جیل قرار دے دیا تھا۔[۴۸] سزائے قید کی عملی تطبیقات کے باب میں اُن کے اِس توسیعی اقدام نے مستقبل میں جیلوں کے ایک وسیع اور مربوط نظام کی بنیاد رکھ دی تھی۔ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان ذوالنُّورَین رضی اللہ عنہٗ کے نسبتاً طویل دور میں بھی تعزیری جرائم کے مرتکب افراد کو قید کرنے کے لیے وسیع و عریض مکانوں کو ہی استعمال کیا جاتا رہا تاکہ اُنہیں اُن کے جرائم کی سزا دینے کے علاوہ اُن کی ایذاء اور مزید جرائم سے باقی اَفرادِ معاشرہ کو محفوظ رکھا جا سکے۔ یہ اِسلام کے ابتدائی دور میں سزائے قید کی عملی تطبیقات اور تنفیذی کیفیات میں توسیع وتطور کا تیسرا مرحلہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

یہ بات خاص طور سے قابلِ توجہ ہے کہ عہدِ نبوی سے خلیفۂ ثالث حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

۴۸- علامہ عبدالحی بن عبدالکبیر الکتانی علیہ الرحمہ (۱۳۰۵-۱۳۸۲ھ/ ۱۸۸۸-۱۹۶۲ء) التراتیب الإداریة، الرباط، المطبعة الأهلیة، ط۳، ۱۹۸۰ء، ج ۱، ص ۲۹۸

کے بارہ سالہ عہدِ خلافت کے نصفِ اوّل (تقریباً ۲۹ھ) تک کے دور میں اِسلام کو زیادہ تر بیرونی جارحیّت کے خطرات و مسائل کا سامنا رہا۔ اِسلامی ریاست کے اندر سے بغاوتوں اور انتہائی خطرناک مجرموں کی طرف سے چیلنجوں میں ابھی تک وہ شدّت نہ آئی تھی جس سے سیّدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ کو اپنے عہدِ خلافت کے نصف آخر میں اور سیّدنا حضرت علی المُرتضٰی رضی اللہ عنہٗ کو اپنے پورے عہدِ خلافت میں سامنا رہا۔ انتہائی خطرناک مُجرموں اور باغیوں کی اسلامی ریاست کے مرکز تک عام رسائی کے باعث بارہ سال کے قلیل عرصہ کے اندر خلیفۂ ثانی اور خلیفۂ ثالث رضی اللہ عنہما کی شہادتوں کے دو المناک واقعات رونما ہو گئے۔ اِن واقعات کا ایک سبق یہ بھی تھا کہ اَب خطرناک مجرموں سے نمٹنے کے عام طریقے مؤثر نہیں رہے۔

چنانچہ سزائے قید کی عملی تطبیقات کے چوتھے مرحلہ کا آغاز اسلام کے چوتھے خلیفہ سیّدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہٗ کے پُر آشوب دور میں ہوا، جب اُنہوں نے اِن جرائم پیشہ عناصر کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہوجانے کی وجہ سے اُنہیں سابقہ طرز پر بڑے رہائشی مکانوں میں قید کرنے کی بجائے اُن کے لیے ایک مستقل جیل بنوائی اور اُس کا نام 'نافع' رکھا تھا۔ مگر اِس کی کوئی چار دیواری نہ تھی، اِس لیے مجرم اِس سے بھاگ گئے۔ اِس کے بعد اُنہوں نے کوفہ میں چونے اور پتھر سے زیادہ پُختہ جیل تعمیر کروائی۔ حضرت سیّدنا علی المُرتضٰی رضی اللہ عنہٗ تاریخِ اسلام کے وہ اوّلین مُجتہد خلیفۂ راشد تھے جنھوں نے باقاعدہ پُختہ جیلوں کی طرح ڈالی۔[۴۹] اِس کے بعد اسلامی ریاست کے تمام اہم مقامات پر پُختہ جیلوں کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

زیرِنظر مقالہ میں قُرآنِ حکیم کی آیاتُ الأحکام اور مفسّرین کی آراء کی روشنی میں سزائے قید کے جواز اور عہدِ خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دوران اِس کی عملی تطبیقات اور تنفیذی کیفیات میں واقع ہونے والے ارتقاء پر دلائل سے نہ صرف اِس کا جواز واضح ہوتا ہے بلکہ اِس سے جیلوں کے نظام کو مصالحِ عامّہ، شرفِ اِنسانیّت، اور تشکیلِ سیرت کے ارفع اسلامی اصول کی بنیاد پر ترقّی دینے کی ضرورت و اہمیت بھی اجاگر ہوتی ہے۔

❁❁❁❁❁

۴۹- ایضاً